حقیقت حدیث

ڈاکٹر قمر زمان

یہ کتاب آپ کی خدمت میں تحفتاً پیش کی جا رہی ہے۔

☆☆☆

سلسلہ دعوت قرآنی کی شائع کردہ کتب اب انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔ جہاں پر آپ ان کتب پر تبصرے اور سوالات بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

http://www.aastana.com

فہرست

پیش لفظ	....	3
حرف اول	....	5
بنیادی حقائق	....	9
مختلف علماء کا مختلف مؤقف	....	11
رسالتماب سے منسوب اقوال	....	13
بیان کرنے والوں کی تعداد	....	16
حدیث صحیح ایک مغالطہ آمیز اصطلاح	....	21
کتب احادیث سے چند مثالیں	....	25
لمحہ فکریہ	....	40

PUBLISHED BY:

سلسلہ دعوت قرآنی

پوسٹ بکس نمبر 11037 لاہور۔ پاکستان

Phone # +92 331 4851184

پیش لفظ

صاحب تحریر نہ تو کسی مسلک سے تعلق رکھتا ہے۔ اور نہ ہی کسی مذہبی گروہ بندی کا قائل ہے اس لیے تحریر ہر اس شخص کے لیے ہے جو اپنے آپ کو مذہبی گروہ بندی سے باہر نکال کر استفادہ کرنا چاہے۔ اس لیے کہ اس کتابچے کا مقصد الکتاب یعنی قرآن کی طرف بلانا ہے۔ اگر آپ کسی مسلک یا کسی گروہ یا فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ کو بنیادی عقائد مختلف نظر آئیں گے۔ اس لیے پڑھتے ہوئے دل میں درد محسوس کیجئے۔ میری بات کا قرآن سے موازنہ کر لیجئے اگر بات صحیح ہو تو قبول کیجئے اور اگر غلط ہو تو مجھے بھی صحیح راہ دکھایئے۔ لیکن بات ثابت کیجئے تو اللہ کی کتاب سے اس لیے کہ میزان ہمارے سامنے اللہ کی کتاب ہے۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر 17 میں ارشاد ہے......

اللہ الذی انزل الکتب بالحق و المیزان

اللہ وہ ہستی ہے جس نے اتاری الکتاب جو برحق اور میزان ہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 4 میں ارشاد ہے......

وانزل الفرقان

”اور اتاری فرق کرنے والی“

کیونکہ یہ قول فیصل یعنی فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔

انہ لقول فصل

بیشک یہ فیصلہ کرنے والا قول ہے“ (سورۃ الطارق آیت نمبر 13)

آپ اس کتابچہ میں کسی گروہ پر تنقید اور لعنت ملامت نہیں پائیں گے بلکہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر فرقہ کے عالم کے حوالے سے ہی بات کی جائے ہمارا موقف تعمیری ہے۔ ہم تخریبی تنقید کے قائل نہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اللہ کے دین ہی کی طرف

بلا رہا ہے اور ظاہر ہے کوئی شخص نہ تو کامل ہے اور نہ ہی نبی کی طرح وحی کے ذریعہ صحیح یا غلط کا ادراک براہ راست اللہ سے حاصل کرتا ہے اس لیے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ جو اس کو سمجھ آیا ہے وہی بات صحیح ہے ہر شخص غلطی کرسکتا ہے البتہ احکامات قرآنی اتنے واضح ہیں کہ ان میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہوتی اور اسی لئے ہر شخص کے سمجھنے کے لیے قرآن کی آیات واضح ہیں۔سورۃ الانعام کی آیت نمبر 114 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے......

وھو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا

''اس ہستی نے تمہاری طرف مفصل الکتاب اتاری''

اور سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 33 میں آیات قرآنی کو ہی بذات خود قرآن کی ''احسن تفسیر'' یعنی بہترین تفسیر قرار دیا۔ اس لیے جس کتاب کے متعلق اللہ ہی کا یہ فیصلہ ہو کہ اس مفصل کتاب میں اس کی بہترین تفسیر ہے اور ہر طرح سے مکمل اور ہر حکم پر حاکم تو پھر ایسی کتاب کس طرح نامکمل ہوسکتی ہے؟

اس کتابچہ کا مقصد کسی عالم سے مناظرہ یا مباحثہ نہیں بلکہ یہ آپ لوگوں کے لئے یعنی دنیاوی علوم پر دسترس رکھنے والی شخصیات کے لئے لکھی گئی ہے۔ اسی لئے زبان عام فہم اور سادہ ترین استعمال کی گئی ہے، زیادہ لچھے دار گفتگو نہیں بلکہ دوٹوک انداز میں حقائق پیش کئے گئے ہیں۔ان حقائق کی تصدیق علماء کے حوالوں سے کر دی گئی ہے۔

حرف اول

حدیث کے موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل رجوع الی القرآن کی تحاریک کی وجہ سے اب یہ تاثر عام ہونے لگا ہے کہ اللہ تبارک و تعالٰی جب قرآن کو ہی اصل ہدایت فرماتے ہیں۔ تو پھر احادیث کی دین میں کیا اہمیت ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 120 میں ارشاد ربانی ہے......

قل ان هدى الله هو الهدى

"کہہ دیجئے بیشک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے"

اور دین کا ماخذ صرف قرآن ہی کو فرماتے ہیں۔ اسی کی اتباع کا حکم دیتے ہیں خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 3 میں مسلمانوں کو حکم ہے......

اتبعوا مآانزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اوليآء.

"صرف اسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے اور اس کے علاوہ کسی ولی کی پیروی نہ کرو"

اسی بات کو مزید واضح سورۃ الانعام کی آیت 155-157 میں کیا اور ارشاد فرمایا کہ......

"قرآن ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے بابرکت نازل کیا ہے۔ پس اسی کی پیروی کرو"

اور آگے فرمایا......

"بس تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح آیات آ گئیں ہیں جو ہدایت اور رحمت ہیں سو اس سے بڑھ کر ظالم شخص اور کون ہوگا جو اللہ کی آیات

کو رد کرے اور اس سے منہ موڑے۔"

اس لئے یہ تاثر بالکل صحیح ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ صرف قرآن کو ہی اہمیت دیتے ہیں اور رسول کو بھی اسی کی پیروی کا حکم کرتے ہیں بلکہ وہ اس بات کی قطعیت کے ساتھ نفی کرتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ کسی چیز کی پیروی کی جائے اس لئے کہ کسی بشر کے لئے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ الکتاب عطا فرمائیں اور حکمت و حکومت دیں اور نبوت کے منصب پر فائز فرمائیں پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے مقابلہ پر یعنی اللہ کے احکامات کے بجائے میرے بندے بن جاؤ یعنی میرے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرو۔ سورۃ آل عمران میں آیت نمبر 79 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے......

ماكان لبشر ان يوتيه الله الكتب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لي من دون الله

"یہ کسی بشر کے لئے ممکن ہی نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکمت اور نبوت سے نوازے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے علاوہ میرے بندے بنو"

اور یہی حکم سورۃ الانعام میں براہ راست رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں دیا گیا......

اتبع ما اوحي اليك من ربك

"تم اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف وحی کیا گیا"

اور اسی طرح کا حکم قرآن میں بار بار آیا ہے کہ اے نبی آپ لوگوں میں فیصلہ اسی قرآن کے مطابق کریں۔ مسلمانوں سے بھی یہی بات سورۃ الاعراف میں کہی گئی کہ تم اسی چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف نازل کی گئی۔

پھر سوال اٹھتا ہے کہ احادیث کا کیا مقام ہے؟

یہ سوال جتنا اہم ہے اتنا ہی مشکل بھی، اہم اس لئے کہ دین میں حجت کے لحاظ سے متنازعہ، اور مشکل اس لئے کہ حدیث کے متعلق ہر بات واضح ہونے کے باوجود جو عقائد مسلمانوں میں رائج ہیں ان کا رد بہت مشکل ہے حالانکہ کوئی عالم بھی احادیث کو اقوال رسول

نہیں کہتا، بلکہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب اقوال کے وہ مفاہیم جو بیان کرنے والوں نے سمجھے ہیں بتاتا ہے۔لیکن ہمارے دلوں میں ان کا تقدس اور اہمیت اس حد تک بیٹھ گئی ہے کہ آج اس حقیقت کا اعتراف بھی مشکل ہوگیا ہے کہ یہ دراصل رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال نہیں بلکہ ان سے منسوب اقوال کے مفاہیم ہیں اور وہ بھی بیان کرنے والوں کی زبان میں۔

آپ اس کتابچہ میں دیکھیں گے کہ بات سادہ عام فہم الفاظ میں کی گئی ہے تاکہ وہ حقیقت جو بھاری بھرکم اصطلاحات کی وجہ سے مسلمانوں پر واضح نہیں ہوپاتی واضح کی جائے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ محدثین اور ائمہ حدیث کے حوالوں سے ہی بات کو واضح کیا جائے اور کوشش کی گئی ہے کہ اس کتابچہ میں کوئی بات اپنی طرف سے نہ کی جائے۔

احادیث کی حجیت پر مختلف علماء مختلف موقف رکھتے ہیں مثلاً ایک فرقہ ان کو دین میں حجت جانتا ہے جبکہ دوسرا فرقہ ان کو حجت نہیں مانتا بلکہ صرف دین کی شرح و فرع یعنی وضاحت تک محدود جانتا ہے۔ ایک تیسرا فرقہ اپنی سمجھ سے جن احادیث کو صحیح سمجھتا ہے۔ قابل قبول کہتا ہے اور باقی کو رد کردینے کی ترغیب دیتا ہے۔

فرقہ اہل حدیث کے علاوہ ہر فرقہ کسی نہ کسی درجہ میں حدیث کا انکاری ہے لیکن اپنے سوا سب دوسروں کو منکرین حدیث کہتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مختلف علماء حضرات احادیث کے متعلق مختلف رائے رکھتے ہیں؟ لیکن اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے حدیث کا ہی حوالہ دیتے ہیں۔ اس کتابچہ میں احادیث کی کہانی انہی علماء کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ اور فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ آپ جس موقف کو چاہیں قبول کریں۔

کسی بات کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اصطلاح یعنی (Terminology) اور تعریف یعنی (Definition) کا جاننا ضروری ہوتا ہے ورنہ انتشار کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے دین کے ساتھ سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہمارے لئے بڑے بھاری بھرکم الفاظ تو تراش لئے گئے جن کے ذریعہ مسلمانوں کو مرعوب کیا گیا لیکن یہ نہ بتایا گیا کہ ان الفاظ کے مطالیب کیا ہیں۔ اور پھر مسلمان وہ سب کچھ مانتا چلا گیا جو اللہ کی مرضی نہ تھی۔

بلکہ اللہ کی منشاء اور اس کے دین کے خلاف تھا، دین کو عام فہم زبان میں نہ سمجھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوگیا اور مذہبی پیشوائیت کے ایک ایسے مقدس گروہ نے جنم لیا جس سے مسلمانوں کا چھٹکارا مشکل ہی نظر آتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان کوشش بھی کرے تو ان اصطلاحات کے گورکھ دھندے سے ہی نہی نکل پاتا اور مجبوراً گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ نتیجتاً مسلمان ہر اس عقیدہ کو جو اس کا پیشواء بتائے حرف آخر سمجھ کر ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ انہی اصطلاحات کے ذریعہ اللہ کے دین میں اللہ ہی کے نام پر عقائد گھڑ لئے گئے۔ آیئے دیکھیں ان بھاری بھرکم اصطلاحات کے پیچھے وہ کون سے راز ہیں جو مسلمانوں سے چھپائے جاتے ہیں اور اپنی دکانداری چمکانے کے لئے انہیں کے ذریعہ مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے لیکن اس کے لئے سب سے پہلے ہم کو اس حصار سے نکلنا ہو گا جس کو وہ اپنے ذہن میں مقدس جانتا اور مانتا ہے۔ کسی عقیدہ کو تنقیدی نگاہ سے پرکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اس کے متعلق ہر ممکنات کو ذہن میں رکھے۔ اگر پہلے سے ہی ذہن میں پختہ ہو کہ میرا عقیدہ بالکل صحیح ہے تو تنقید کو انسان قبول ہی نہیں کرتا ہے۔

آپ بھی آج اپنے تقدس کے حصار سے نکل کر چند حقائق کا دلائل کے حوالے سے سامنا کیجئے۔ اگر صحیح ہوں تو مان لیجئے اگر خامی نظر آئے تو مجھے بھی مطلع کیجئے لیکن آپ کی تنقید بھی دلائل پر مبنی ہو۔

بنیادی حقائق

وہ کون سا بد نصیب مسلمان ہوگا جو یہ جان کر کہ اس کا رسول کسی معاملہ میں ایک حکم کر رہا ہے اور وہ اس سے انکار کرے۔ رسول کا حکم ہو اور کوئی مسلمان اس سے سرتابی کرے یہ ممکن ہی نہیں۔ مسلمان کی فطرت میں یہ بات کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ رسول کا کوئی پیغام یا فرمان آ جائے تو گردن تو کیا چیز ہے اس سے بھی بڑی اگر کوئی چیز اللہ نے دی ہوتی تو وہ بھی رسول کے لئے قربان کر دیتا۔

یہی مسلمان کی اپنے رسول کے لئے وہ محبت ہے جس کا علماء حضرات استحصال کرتے ہیں اور ہم سے ہر وہ بات جو وہ خود چاہتے ہیں رسول کے نام پر منوا لیتے ہیں۔ اگر کوئی جرح کرے تو شاتم رسول یا گستاخ رسول کا نام دے کر اپنے سادہ لوح پیرو کاروں سے قتل تک کروادیتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے جہاں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔

سب سے پہلے احادیث کے سلسلہ میں چند بنیادی حقائق آپ کے سامنے مختصراور سادہ ترین الفاظ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ بعد میں بعض وضاحت طلب امور کی مختصر مگر جامع وضاحت دلائل کے ساتھ پیش کی جائے گی۔

1۔ علماء خود حدیث اور سنت کے متعلق واضح نہیں۔

2۔ اس بات پر سب محدثین کا اتفاق ہے کہ احادیث کی کتب یعنی بخاری اور مسلم وغیرہ میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ یہ رسالتماب کے الفاظ ہیں۔ بلکہ ان احادیث میں وہ مفہوم ہے جو راوی کی سمجھ میں آیا یعنی احادیث رسالتماب کے اقوال نہیں بلکہ راوی کی سمجھ کے مطابق اسی کی زبان میں رسالتماب سے منسوب اقوال کے مفاہیم ہیں۔

3۔ رسالتماب کے صحابہ کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق دو لاکھ تھی۔ لیکن سب سے

اعلیٰ درجہ کی حدیث کو جو بخاری و مسلم وغیرہ میں درج ہے صرف تین صحابہ ہی روائت کرتے ہیں۔ یعنی باقی صحابہ کے علم میں وہ قول یا عمل آیا ہی نہیں جو بخاری اور مسلم وغیرہ نے کتب احادیث میں درج کیا ہے۔

4۔ احادیث کے مجموعے جن کو صحاء ستہ کا نام دیا جاتا ہے رسالتماب کے انتقال کے 250 سال بعد منظر عام پر آئے۔

5۔ جمع و تدوین کے وقت یعنی ڈھائی سو سال بعد بھی ایک حدیث لکھی ہوئی نہ تھی۔ اسی لئے حدیث کو روائت کیا جاتا ہے یعنی سنایا جاتا ہے۔ کسی بھی حدیث کو یہ نہیں کہا گیا کہ یہ حدیث فلاں صاحب کی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

6۔ رسالتماب اور خلفاء راشدین کے زمانے میں نہ تو جمع و تدوین ہوئی اور نہ ہی کوئی حدیث ان کے زمانہ کی لکھی ہوئی ملی۔

7۔ جامعین حدیث یعنی بخاری اور مسلم وغیرہ نے چھ لاکھ احادیث میں سے چھ ہزار کا انتخاب کیا۔ ان ائمہ کے پاس کیا دلیل ہے کہ جن احادیث کا انہوں نے انکار کیا وہ صحیح احادیث نہ تھیں۔

8۔ اگر احادیث کی افادیت اتنی ہی تھی جتنی آج ہم کو بتائی جاتی ہے تو بخاری اور مسلم وغیرہ کو ایک ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لئے ہزاروں میل کے سفر کیوں کرنے پڑے؟ کیا ڈھائی سو سال بعد بھی رسالتماب کی باتیں چند مخصوص لوگوں تک ہی محدود تھیں؟ اتنے عرصہ بعد تو ان کو عام ہوجانا چاہیے تھا۔ اور اگر عام نہیں ہوئی تھیں تو ڈھائی سو سال تک مسلمانوں کا دین بغیر احادیث کی مدد سے کیوں کر مکمل تھا؟

9۔ صحیح حدیث کی اصطلاح ہی سب سے مغالطہ آمیز ہے۔ صحیح حدیث کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ حدیث واقعی سچی ہے یعنی رسالتماب کا ہی قول ہے۔

ایسے دوسرے اور بھی بہت سے حقائق ہیں جو ان احادیث کے متعلق معروف ہیں لیکن ان بنیادی حقائق سے ہی بات واضح ہوجائیگی۔ آیئے چند اہم امور کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

مختلف علماء کا مختلف موقف

آپ کے لئے یہ بات حیران کن تو ضرور ہوگی کہ علماء خود بھی حدیث و سنت کے معاملہ میں غیر واضح ہیں۔ ذیل میں دیئے گئے علماء کی تصنیفات سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہوجائے گا اور پھر ایک لمحہ کے لئے سوچیے کہ جس چیز کے متعلق یہ لوگ خود واضح نہیں تو وہ آپ کو کیا سمجھا سکیں گے کہ دین میں اس کا کیا مقام ہے۔

شیخ الحدیث مولانا اسماعیل (فرقہ اہل حدیث پاکستان) اہل حدیث کے جید اور مستند عالم ''حجیت حدیث'' میں فرماتے ہیں۔

''ہمارے پیش نظر موضوع (سنت و حدیث) میں سنت اور حدیث مترادف ہیں اور شرعاً یہ دونوں حجت ہیں''

اس کے برعکس فرقہ اہل سنت کے ایک مستند اور جید عالم مولانا امین احسن اصلاحی ''مبادی تدبر حدیث'' میں فرماتے ہیں۔

''حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حدیث اور سنت میں آسمان و زمین کا فرق اور دین میں دونوں کا مرتبہ و مقام الگ الگ ہے۔ ان کو ہم معنی سمجھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک عالم دونوں کو مترادف کہتے ہیں۔ جبکہ دوسرا عالم دونوں میں زمین و آسمان کا فرق جانتے ہیں بلکہ دین میں مقام بھی الگ الگ بتا رہے ہیں۔

حدیث کی تعریف کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں۔

''محدثین حدیث کو خبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور خبر کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ خبر صدق (سچ) اور کذب (جھوٹ) دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ یعنی علمائے فن کے نزدیک خبر

(یعنی حدیث) میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی (یعنی وہ بات جس میں جھوٹ کا گمان یا شک ہو) بھی کہتے ہیں''

(حوالہ مبادی تدبر حدیث)

آپ نے ملاحظہ فرمایا جناب امین احسن اصلاحی صاحب حدیث کو سنت نہیں مانتے جب کہ مولانا اسماعیل سلفی حدیث اور سنت میں فرق نہیں کرتے۔

فرقہ اہل سنت حدیث کو ظنی کہتے ہیں۔ یعنی جس میں جھوٹ کا امکان موجود ہے جب کہ فرقہ اہل حدیث شرعاً حدیث کو دین میں حجت مانتے ہیں۔

بغیر کسی تبصرہ کے فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں جو چاہے مانئے اس لئے کہ اللہ کے آگے آپ کا حساب کسی پیشواء کے عقیدہ پر نہ ہوگا بلکہ آپ کو خود آپنے عقائد کے لئے دلائل مہیا کرنے ہونگے۔

رسالتماب سے منسوب اقوال

احادیث کے متعلق یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ واقعی اقوال رسول ہیں۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ ایک بات جو آپ ایک حلقہ میں بیٹھ کر کرتے ہیں وہ چند ہی گھنٹوں میں آپ کے دوسرے دوستوں تک کس طرح تبدیل ہو کر پہنچتی ہے۔ نہ صرف آپ کے الفاظ جو آپ نے ادا کئے ہوتے ہیں بلکہ مفہوم تک بدل جاتا ہے۔ یہی چیز رسالتماب کے ان اقوال و اعمال کے ساتھ ہوئی جو رسالتماب نے نجی محفلوں میں ادا فرمائے۔ ان محفلوں میں جن اصحاب نے دیکھا یا سنا انہوں نے اپنے عزیز رشتہ داروں کو بطور حکایت بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈھائی سو سال گزرنے کے باوجود یہ اقوال چند لوگوں تک ہی محدود تھے۔ اور بخاری اور مسلم وغیرہ کو یہ اقوال ڈھونڈنے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے لمبے سفر کرنے پڑے تب کہیں جا کر کسی مسئلہ پر ایک یا دو اور زیادہ سے زیادہ تین کی تعداد میں ایسے اشخاص مل سکے جن کو ان کے آباؤاجداد نے سنایا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ اقوال اگر دین کا حصہ ہوتے تو ناممکن تھا کہ ڈھائی سو سال بعد ہر مسلمان کو ان کا علم نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ ایک ہی موضوع پر جب ایک سے زیادہ راویوں کے بیان کا تقابل کیا جائے تو الفاظ اور مفہوم میں اتنا تضاد پایا جاتا ہے کہ بات بجائے واضح ہونے کے مزید غیر واضح ہوجاتی ہے۔ اگر دو روایات کے مفاہیم ایک ہی موضوع پر الگ الگ ہوں تو ظاہر ہے دونوں میں سے ایک ہی رسالتماب کی بیان کردہ بات کا مفہوم ہوسکتا ہے اس لئے ڈھائی سو سال بعد یہ فیصلہ کرنا کہ کون سی روایت کا مفہوم وہی ہے جو رسالتماب نے بیان فرمایا ہے۔ ناممکن تھا۔ بلکہ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ روایات کے نہ صرف الفاظ بلکہ مفاہیم بھی وہ نہیں جو رسالتماب نے بیان فرمائے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین حضرات ان سب باتوں کا خیال کر کے یہ کہتے ہیں۔

"اگر ان بیان کرنے والوں پر یہ قید عائد کر دی جاتی کہ حضور کے فرمان ان کے اپنے الفاظ ہی میں روایت کریں یعنی روایت بالاالفاظ ہی ہو تو میرا خیال ہے کہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پچانوے فی صد غائب ہوجاتا"

(بحوالہ مبادی تدبر حدیث)

یعنی مولانا اصلاحی کی نگاہ میں پچانوے فی صد ذخیرہ احادیث کے الفاظ رسالتماب کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی حوالے سے مولانا اصلاحی آگے فرماتے ہیں۔

"اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بالمعنی روایت میں غلطی کے احتمالات ہیں"

آگے اسی موضوع کے تحت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے مثالیں دیکر ثابت بھی کر دیا ہے کہ روایت بالالفاظ نہ ہونے کی وجہ سے احادیث میں کس طرح غلطیاں ہوئیں۔

مولانا مودودی فرماتے ہیں۔

"اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح اور معتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے"

(بحوالہ رسائل و مسائل حصہ اول)

یہ حوالے صرف اس لئے دیئے گئے تاکہ یہ بات واضح کی جائے کہ یہ کسی جاہل کی بات نہیں بلکہ مستند حقیقت ہے جو سب علماء اور محدثین مانتے ہیں کہ وہ روایات جنہیں ہم احادیث رسول کہتے ہیں اور جو بخاری اور مسلم وغیرہ میں ملتی ہیں صرف رسالتماب سے منسوب اقوال کے مفاہیم ہیں اور کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہی بات رسالتماب نے فرمائی تھی۔

آپ کے لئے یہ بات بھی حیرت سے کم نہ ہوگی کہ ایک بھی حدیث ایسی نہیں جس کو یقینی طور پر کہا جاسکے کہ یہ رسالتماب کا بیان کردہ قول ہے اسی لئے آپ نے علماء کو سنا ہوگا کہ جب بھی وہ کوئی حدیث سناتے ہیں تو اخیر میں ایک جملہ عربی میں کہتے ہیں۔

او كما قال صلى الله عليه وسلم

اس کا ترجمہ ہی آپ کو حیرت میں ڈال دے گا۔ اس جملہ کا ترجمہ ہے۔

"یا جیسے رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

یعنی آپ نے ایک بات کہی اور ساتھ ہی یہ شک بھی ظاہر کر دیا کہ ہوسکتا ہے یہ بات ایسی نہ ہو اس لئے اگر بیان میں اختلاف ہے یا مختلف ہے تو کہہ دیا ''یا جیسا رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اب سوچنے کا مقام ہے کہ کیا یہ جملہ کہہ دینے کے بعد اللہ کی پکڑ سے وہ شخص بچ سکے گا جس نے ایک غیر یقینی بات رسول اللہ سے منسوب کر کے بیان کی اور ساتھ میں صرف ایک جملہ کہنے کے بعد اس بیان سے آپنے آپ کو بری الذمہ بھی کر لیا۔ اس کو اس شخص کی خود فریبی کہا جائے یا خوش فہمی البتہ وہ شخص آپ کو پھنسا گیا۔ اگر آپ نے اس کی بات کا یقین کر لیا تو اللہ آپ سے تو ضرور پوچھے گا کہ اس شخص نے تو تم سے کہہ دیا تھا کہ ہوسکتا ہے رسالتماب نے ایسا نہ کہا ہو پھر تم نے کیوں یقین کر لیا۔ کتب احادیث میں جن کو ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نام سے جانتے ہیں صرف ایسی ہی روایات ملتی ہیں جن کے سنانے کے بعد یہ کہنا لازمی ہے۔

''او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم''

یعنی ''یا جیسا رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''

اس بات کی آپ تصدیق کیجئے۔ کسی بھی عالم سے پوچھئے کہ احادیث کے سنانے کے بعد آپ ''او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم'' کیوں کہتے ہیں۔

آخیر میں مولانا مودودی کی کتاب رسائل و مسائل کا حوالہ بہت موزوں ہوگا۔ ''نبی صلعم کے قول و فعل کو میں بھی قرآن کی طرح حجت مانتا ہوں اور میرے نزدیک جو عقیدہ حضور نے بیان کیا ہو یا جو حکم آپ نے ارشاد فرمایا ہو وہ اسی طرح ایمان و اطاعت کا مستحق ہے جس طرح کوئی ایک عقیدہ یا حکم جو قرآن میں آیا ہو۔ لیکن قول رسول اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں اور نہ ان روایات کو استناد کے لحاظ سے آیات قرآنی کا ہم پلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ آیات قرآنی کے منزل من اللہ ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں۔ بخلاف اس کے روایات میں اس شک کی گنجائش موجود ہے کہ جس قول یا فعل کو نبی صلعم کی طرف منسوب کیا گیا وہ واقعی حضور کا فرمان ہے یا نہیں''

بیان کرنے والوں کی تعداد

صرف ایک سے تین تک

ضمناً تو اس بات کا ذکر بخاری اور مسلم کی ان کاوشوں کے ذکر میں ہی آ گیا تھا لیکن یہاں کچھ مفصل بیان ضروری ہے تا کہ آپ کو اندازہ ہو کہ احادیث کی جمع و تدوین اتنی مشکل کیوں تھی؟ اور حدیث کی اہمیت کیا ہے؟

کسی بھی اہم شخصیت کی زندگی کا جائزہ لیں تو ایک بات سامنے آتی ہے کہ اس کی زندگی کے اعمال و اقوال کو دو خانوں میں رکھا جاسکتا ہے۔

1۔ ایک خانہ ان اعمال و اقوال کا ہوتا ہے جو وہ عمومی مجالس یا جگہوں پر کرتا ہے۔

2۔ دوسرا خانہ وہ جس میں ان اعمال و اقوال کو رکھا جاسکتا ہے جو وہ خصوصی مجالس اور گھر وغیرہ پر کرتا ہے۔

رسالتماب کی زندگی کے تمام تر اعمال و اقوال کا احاطہ اسی اصول پر کیا جاتا ہے تا کہ کوئی گوشہ ہماری نظروں سے مخفی نہ رہے۔ اور ہر بات بالکل واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

پہلے خانہ میں رسالتماب کے وہ اقوال و اعمال رکھے جاتے ہیں جو رسالتماب کا معمول رہے۔ عمومی مجالس (Public Places) پر کئے گئے یہ اعمال و اقوال ظاہر ہے کسی سے پوشیدہ نہ رہے۔ بلکہ رسالتماب کے زمانہ میں ہی ہر صحابی تک پہنچے اور جن پر ہر صحابی کو نہ صرف عمل پیرا ہونا ضروری تھا بلکہ دوسروں تک پہنچانا ان کے فرائض میں تھا۔ محدثین نے ایسے اعمال کو عملی تواتر اور ایسے اقوال کو قولی تواتر کہا ہے عملی تواتر کی مثال صوم و صلوٰۃ وغیرہ اور قولی تواتر کی مثال قرآن پاک اور خطبات مسنونہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ رسالتماب نے جتنے بھی اقوال و اعمال ادا فرمائے وہ خصوصی مجالس یا گھر کے اندر ادا فرمائے۔ ان کے علم کا ذریعہ صرف وہی اصحاب ہیں جو ان محفلوں میں موجود

تھے یا ازواج مطہرات جو گھر کے اندر کے معاملات سے واقفیت رکھتی تھیں۔اوریہی اصحاب اور ازواج مطہرات ان اقوال و اعمال کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ انہی اصحاب سے دوسرے لوگوں نے روایتاً سنا اورنسل درنسل منتقل ہوتی ہوئی یہ احادیث مسلم اور بخاری وغیرہ کوملیں۔

یہاں پر ایک خیال آسکتا ہے کہ ان محافل میں لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ رہی ہوگی کہ کسی روایت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور اسی لئے ان روایات کو یہ درجہ دیا گیا۔

جی نہیں..........ایسی بات نہیں ہے یہ تاثر غلط ہے۔ کیونکہ ایسی حدیث کو جو اتنے لوگ بیان کریں کہ کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ ہو خبر تواتر یا حدیث تواتر کہتے ہیں۔ لیکن ایسی احادیث کی کوئی کتاب موجودنہیں ہے۔

اس ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں۔''خبر تواتر کا اسم تو موجود ہے لیکن ہمارے علم کی حدتک اس کا کوئی صحیح مسمی موجودنہیں'' یعنی حدیث تواتر کی اصطلاح تو موجود ہے لیکن ایسی کسی حدیث کا وجودنہیں جسے حدیث تواتر کہا جاسکے۔

یعنی احادیث بیان کرنے والوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ یہ گمان غالب ہے کہ جو بات بیان ہو رہی ہے وہ جھوٹ پر مبنی ہے۔ ایسی احادیث کو محدثین حدیث غیر تواتر یا خبر واحد کہتے ہیں۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی احادیث انہی احادیث کا مجموعہ ہیں۔

ایک لمحہ کے لئے رک کر پچھلی بات کو پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں۔

رسول کے اقوال و اعمال کو دو زاویوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

(1) سنت ثابتہ (عملی اور قولی تواتر)

عمومی مجالس میں کئے گئے اعمال و اقوال جو سب مسلمانوں کے لئے فرض کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسے اعمال و اقوال کی مثال صوم وصلوٰۃ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں اور ایسے اقوال کی مثال قرآن اور خطبات مسنونہ ہیں۔

(2) احادیث

خصوصی مجالس اور گھر کے اندر ادا فرمائے گئے اعمال و اقوال جن کی محدثین نے دو اقسام بیان کی ہیں۔

...... حدیث تواتر

یعنی ایسے اقوال جن کے بیان کرنے والے کثیر ہوں اور یہ گمان نہ کیا جاسکے کہ وہ کسی جھوٹی بات پر اتفاق کر لیں گے۔لیکن ایسی احادیث کی نہ تو کوئی کتاب موجود ہے اور نہ ہی کسی دوسری کتاب میں تذکرہ۔

...... حدیث غیر متواتر یا خبر واحد

یعنی ایسے اقوال و اعمال جن کے بیان کرنے والوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ یہ گمان غالب ہے کہ بیان کرنے والے جھوٹ کہہ سکتے ہیں۔ انہی احادیث کی کتب صحاء ستہ یعنی بخاری اور مسلم وغیرہ ہیں۔

اب یہ بات تو واضح ہوگئی کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں رسالتماب سے منسوب اقوال کے مفاہیم ہیں جو اتنے کم تعداد میں لوگ بیان کر رہے ہیں کہ جھوٹ کا گمان رہتا ہے انہی احادیث کے ذریعہ آپ کو دین دیا جاتا ہے۔انہی کے ذریعہ دین کی شرح وفرع کیجاتی ہے۔ ایسی احادیث کو محدثین نے بیان کرنے والوں کے لحاظ سے تین درجات میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ حدیث مشہور

حدیث کو بیان کرنے والے اگر تین ہوں تو ایسی حدیث کو ''مشہور'' کہتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے ٹھہریئے۔ ذرا لفظ مشہور پر غور فرمایئے۔ آپ تو مشہور اس بات کو کہتے آئے ہیں جو ہزاروں کو معلوم ہو لیکن حدیث کے معاملہ میں ہمیں لفظ مشہور کا نیا ہی مفہوم معلوم ہورہا ہے یعنی مشہور وہ بات بھی ہوسکتی ہے جو صرف تین اشخاص تک محدود ہو۔

2۔ حدیث عزیز

بیان کرنے والوں کی تعداد اگر گھٹ کر دو رہ جائے تو ایسی حدیث کو ''حدیث عزیز'' کہتے ہیں۔

3۔ حدیث غریب

اور بیان کرنے والوں کی تعداد گھٹ کر ایک رہ جائے تو ایسی حدیث کو ’’حدیث غریب‘‘ کہتے ہیں۔

کیا آپ کو یہ معلوم کر کے کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ جن روایات کو آپ کے لئے اتنا ضروری بنا کر پیش کیا جاتا ہے اس کا علم تو صحابہ کرام کی پوری تعداد تو درکنار دس بیس کو بھی نہ تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ان روایات کی سب سے چوٹی کی روایت وہ ہے جو حدیث مشہور کہلاتی ہے۔ اس کو بیان کرنے والوں کی کل تعداد تین ہے۔ اب ایک لحہ کے لئے سوچئے کہ اگر کوئی بات جو صرف سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان کو معلوم تھی تو باقی صحابہ کیا کرتے تھے جن میں سیدنا علی، سید نا حسن، سیدنا حسین جیسے صحابہ اور خاندان رسالت کے افراد بھی موجود تھے یا اگر ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ سیدہ حفصہ اور سیدہ زینب کو معلوم تھا تو دوسری ازواج مطہرات اس پر عمل نہ کر سکیں۔

ان اصحاب اور ازواج مطہرات کی مثالیں تو اس لئے دی گئیں کہ یہ تو وہ لوگ تھے جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت رہا کرتے تھے۔ باقی صحابہ بھی قرآن کے اعلان کے مطابق سابقون الاولون میں تھے جن کے نقش قدم کی خاک بھی مل جائے تو ہمیں دین سمجھ آ جائے۔

یہ بات معلوم ہونے کے باوجود کہ کتب احادیث یعنی بخاری و مسلم وغیرہ ان روایات کی کتابیں ہیں جن کا علم صرف چند صحابہ کو تھا اور جلیل القدر صحابہ بھی ان سے محروم رہے کس بناء پر ایسی کتابوں کو دین کا حصہ بتایا جاتا ہے؟ اور ان احادیث کو ان اعمال و اقوال کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا جاتا ہے جس کا علم ہر صحابی کو تھا اور ہر مسلمان کے لئے لازماً جاننا، ماننااور عمل پیرا ہونا ضروری تھا۔

بغیر کسی تبصرہ کے فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کیجئے اس لئے کہ اللہ کے آگے آپ کا اپنا شعوری فیصلہ کام آئے گا کوئی پیشواء پیر یا عالم آپ کی جگہ جواب نہ دے گا۔

اب تک جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ کہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی احادیث ......

1۔ رسالتماب سے منسوب اقوال کے مفاہیم ہیں۔

2۔ زیادہ سے زیادہ تین اصحاب تک محدود

3۔ جلیل القدر صحابہ بھی ان اعمال اور اقوال سے محروم رہے

4۔ روایات میں یہ امکان موجود کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔

حدیث صحیح

ایک مغالطہ آمیز اصطلاح

جس طرح پچھلے اوراق میں ایک اصطلاح ''مشہور'' کی گزری اور آپ نے دیکھا کہ کس طرح ایک غیر معروف بات کو مشہور کہا گیا اسی طرح ''حدیث صحیح'' کی اصطلاح بھی مغالطہ آمیز ہے۔

آپ سے جب کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو تاثر یہی ملتا ہے کہ جو بات اب آپ کو بتائی جائے گی وہ صدفی صد رسالتماب کا قول ہی ہوگا۔

جی نہیں ....ایسی بات نہیں۔ آپ نے تاثر غلط لیا ہے۔

اول تو یہ روایت بھی انہی روایات میں سے ہے جن کو خبر واحد کہتے ہیں۔ یعنی بیان کرنے والوں کی تعداد اتنی نہیں کہ یہ یقین کر لیا جائے کہ اس میں جھوٹ کی گنجائش نہیں۔

دوئم صحیح حدیث اس حدیث کو کہا جاتا ہے۔ جس کے بیان کرنے والوں کا کردار محدثین کی نظر میں معیاری تھا اور بیان کرنے والوں کا معیار کچھ یوں ہوتا ہے۔

(1)وہ عادل ہوں۔ (2)انکا حافظہ اچھا ہو۔(3)ان پر جھوٹ کی تہمت نہ لگی ہو۔ (۴) ان میں کوئی علت نہ ہو۔(5)اور کوئی ایسی بات نہیں بیان کر رہے جو شاذ ہو۔

یہ بھی ایک حیران کن اور اختلافی مسئلہ ہے کہ ڈھائی سو سال بعد کس طرح تحقیق ہوئی کہ فلاں شخص جو سو یا دو سو سال پہلے گزر گیا اس کا کردار کیا تھا۔ پچاس ساٹھ سال پہلے گزرے ہوئے باپ دادا کے متعلق تو آج کی اتنی ترقی یافتہ دنیا میں بھی کوئی نہیں جان پاتا کہ اس کا نام کیا تھا یا وہ کس قماش کا آدمی تھا۔ خیر اس بحث میں نہیں الجھتے اس لئے کہ عموماً اس دور کے لوگوں کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حافظہ کے بہت اچھے تھے۔ اور اپنے قبیلہ اور خاندان کے افراد کے متعلق ایک ایک تفصیل کا علم رکھتے تھے۔

بات ہو رہی تھی حدیث صحیح کی ....

حدیث صحیح اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے بیان کرنے والے چند خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ یعنی بیان کرنے والوں کے کرادر پر انحصار کر کے یہ خیال کر لیا گیا کہ جو بھی یہ بیان کر رہے ہیں وہ صحیح ہوگا۔ حالانکہ اساسی شرط یعنی تعداد کے لحاظ سے اتنے کم لوگ بیان کر رہے ہیں کہ جھوٹ کے امکان کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

آخر کیا وجہ ہوئی کہ بیان کرنے والوں کے کردار پر انحصار کیا گیا؟ ذرا سا غور کرنے پر بات سمجھ آجاتی ہے۔ ڈھائی سو سال بعد آپ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا کہ کسی بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کی تحقیق کسی بھی طریقہ سے کی جاسکے۔ سوائے اس کے کہ بیان کرنے والے کے کردار پر انحصار کیا جائے۔اور اس کے کردار کی تصدیق بھی صرف وہی اصحاب کر سکتے تھے جو ڈھائی سو سال بعد ان اصحاب کی اولاد میں سے موجود تھے۔ یعنی آٹھویں یا دسویں پیڑھی (Generation) کے لوگ۔

اگر کسی نے اپنی عقل گروی نہ رکھی ہو تو وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ڈھائی سو سال بعد کس طرح آٹھ یا دس پشت پہلے کے گزرے ہوئے لوگوں کے متعلق تمام معلومات معلوم ہوئی ہونگی۔ اور لوگوں نے اپنے آباؤ اجداد کے متعلق کیا کچھ زمین و آسمان کے قلابے نہ ملائے ہونگے۔ آج بھی اس تمدنی ترقی کے دور میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک میں چلے جائیں اور ان کے آباؤ اجداد کے متعلق پوچھیں ہر ایک کا جواب ایک ہی ہوگا کہ ''ان کے بزرگ نہایت نیک، شریف النفس، حلیم الطبع، سچے، عاقل، ہر علم کے ماہر اور دانائی میں یکتا تھے۔ بس یوں سمجھئے ولی اللہ تھے'' اور ان کے بزرگوں کے دشمن انتہائی ناقابل اعتبار جھوٹے اور کردار کے فضول لوگ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حدیث کو پرکھنے کا ذریعہ صرف بیان کرنے والوں کے کردار تک محدود رہ گیا تو اسی کو بنیاد بنایا گیا۔ اور ایسی روایت کو حدیث صحیح کہا گیا جس کے بیان کرنے والے ان کے عزیزوں کے مطابق کردار کے لحاظ سے اچھے تھے اور وہ جو بات کرتے تھے صحیح کرتے تھے۔

اب حدیث صحیح کے علاوہ بقیہ احادیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

ان کو بیان کرنے والوں کا کردار تو اس لائق بھی نہ تھا کہ ان کی کسی بات کو اہمیت دی جاتی۔ کیونکہ بقیہ احادیث کے بیان کرنے والوں میں کم از کم ایک عیب تو ضرور موجود تھا۔ یعنی وہ یا تو جھوٹے تھے یا ان کا حافظہ کمزور تھا، یا وہ انصاف سے کام نہیں لیتے تھے، یا وہ کسی برائی میں ملوث تھے یا جو بات انہوں نے بیان کی وہ انہونی تھی۔

احادیث کی کتب میں ایسے ہی صفات کے لوگوں کی بیان کردہ روایات کو آپ کے لئے دین کا حصہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

آپ کو یہ جان کر اور بھی تعجب ہوگا کہ جناب بخاری کے نزدیک تو صحیح حدیث کا اوپر بیان کردہ معیار بھی نہ تھا بلکہ وہ ہر اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں جس کے بیان کرنے والوں کی آپس میں ملاقات ہوئی ہو خواہ وہ کسی بھی کردار کے حامل ہوں۔ جب کہ جناب مسلم کے نزدیک ملاقات بھی ضروری نہیں وہ اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ بیان کرنے والے ایک ہی زمانہ میں موجود ہوں۔

جناب حجر اسقلانی بخاری اور مسلم کا تقابل کرتے ہوئے "نخبتہ الفکر" میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"بخاری کے نزدیک صحت کے لئے شرط ہے کہ راوی جن سے روایت کرتا ہے اس کے ساتھ کم از کم اس کی ایک بار ملاقات بھی ثابت ہونی چاہیے۔ بخلاف مسلم کے ان کے نزدیک ثبوت ملاقات شرط نہیں، صرف معاصرت (یعنی ایک زمانے میں حیات ہونا) کافی ہے"

ملاحظہ فرمائے کہ صحیح حدیث کن احادیث کو کہتے ہیں کہ ایک شخص رسالتماب کی بات بیان کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ میں نے فلاں شخص سے سنی ہے۔ حالانکہ اس نے اس سے ملاقات بھی نہیں کی۔ اب سوچئے کہ ہم کو احادیث رسول کے نام پر کیا دیا گیا ہے؟

اب تک کی تلخیص

(1) احادیث رسالتماب سے منسوب اقوال کے مفاہیم ہیں۔

(2) احادیث ہر دور میں زیادہ سے زیادہ تین اصحاب تک محدود رہیں۔

(3) اسی وجہ سے جلیل القدر صحابہ بھی ان اعمال و اقوال سے محروم رہے۔

(4) احادیث میں سے جھوٹ کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

(5) صحیح حدیث کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ حدیث واقعی رسالتماب کا قول ہے۔

(6) احادیث کے بیان کرنے والے کسی نہ کسی برائی میں ملوث تھے۔

کتب احادیث سے

چند مثالیں

آیئے بخاری اور مسلم کی احادیث سے جن کو ماننا عین ایمان کہا جاتا ہے۔ چند نمونے حاضر خدمت ہیں تاکہ آپ خود فیصلہ کریں کہ ان روایات کو جمع کر کے ہمیں دین کے طور پر دینے والوں کی ذہنی استطاعت کیا تھی، ان کی نظر میں دین کیا تھا اور وہ رسالتماب کو کیا سمجھتے تھے اور ان کے مقابلہ میں قرآن رسالتماب کے متعلق کیا کہتا ہے۔

رسالتماب کے بارے میں۔

رسالتماب کی شخصیت پر جتنے گھناؤنے حملے اس وقت کی مجوسی اور یہودی قوم نے اسلام کے پس پردہ کئے ہیں ان کا آپ ذیل میں درج احادیث سے اندازہ کرسکتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کے بار ے میں۔

1۔ حضرت جابر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عورت پر نظر پڑی تو آپ اپنی بیوی حضرت زینب کے پاس تشریف لائے اور وہ (یعنی حضرت زینب) ایک چمڑے کو دباغت دینے کے لئے مل رہی تھیں۔ پھر آپ (رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی حاجت ان سے پوری کی اور پھر اپنے صحابہ کی طرف نکلے اور فرمایا کہ عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے اور جب جاتی ہے تو شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ پھر جب کوئی کسی عورت کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی صحبت کرے اس عمل سے اس کے دل کا خیال جاتا رہے گا۔ (کتاب النکاح ...... مسلم)

2۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیبیوں کے پاس ایک ہی ساعت کے اندر رات اور دن میں دورہ کر لیتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔قتادہ کہتے ہیں میں نے انس سے کہا کیا آپ ان سب کی طاقت رکھتے تھے؟ وہ بولے ہاں بلکہ ہم کہا کرتے تھے کہ

آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی“ (کتاب الغسل ...... بخاری)

3۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ظروف سے غسل کرتے تھے اور ہم دونوں جنب ہوتے تھے اور حیض کی حالت میں مجھے آپ (یعنی رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم) حکم دیتے تھے میں ازار پہن لیتی تھی پھر آپ مجھ سے اختلاط کرتے تھے۔ (کتاب الحیض ...... بخاری)

4۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں مباشرت کرتے اور بوسہ لیتے اور وہ تم میں سب سے زیادہ اپنی خواہشات پر قادر تھے۔ (کتاب الصوم...... بخاری)

رسالتماب کی طہارت کی طرف سے غفلت

ابوھریرہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نماز قائم کی گئی اور صفیں کھڑی کر کے برابر کی گئیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے تو جب آپ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر کھڑے ہوگئے اس وقت یاد آیا کہ غسل کی ضرورت ہے۔ ہم سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو اور آپ (یعنی رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم) لوٹ گئے اور غسل کیا اس کے بعد تشریف لائے اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر آپ نے تکبیر کہی اور ہم سب نے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ (کتاب الغسل ...... بخاری)

5۔ حضرت انس بن مالک سے ایک طویل روایت ہے جس میں خیبر کے جہاد کے بعد کا ذکر ہے۔

”پھر قیدی جمع کئے گئے تو وحیہ آئے اور انہوں نے کہا یا نبی اللہ مجھے ان قیدیوں میں سے کوئی لونڈی دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے صفیہ بنت حی کو لے لیا۔ پھر ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا یا نبی آپ نے صفیہ بنت حی قبیلہ قریظہ اور نظیر کی سردار وحیہ کو دے دی وہ آپ کے سوا کسی کے قابل نہیں ہیں آپ نے فرمایا ان کو مع صفیہ کے لے آؤ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کی طرف نظر کی تو فرمایا کہ ان کے علاوہ کوئی اور لونڈی قیدیوں میں سے لے لو۔ انس کہتے ہیں

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا'' (کتاب الصلوۃ...... بخاری)

6۔ سیدنا زید کے حوالے سے سیدنا انس روایت کرتے ہیں کہ سیدنا زید نے سیدۃ زینب کو طلاق دی اور رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۃ زینبؓ کو نکاح کا پیغام سیدنا زیدؓ کے ہاتھ بجھوایا تو انہوں نے عرض کی ''اے زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیغام (نکاح) کا بھیجا ہے اور وہ آپ کو یاد کرتے ہیں۔ اور زینب نے فرمایا کہ میں کوئی کام نہیں کرتی ہوں جب تک کہ مشورہ نہیں لے لیتی اپنے پروردگار سے۔ اور اسی وقت وہ اپنی نماز کی جگہ میں کھڑی ہوگئیں''

اسی اثناء میں قرآن کا نزول ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس بغیر اجازت داخل ہوگئے''

اس واقعہ پر زبردست تنقید علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی نے مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت جلد دوم صفحہ 106 میں کی ہے اور روایت امام طبری کے حوالہ سے نقل کی ہے انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے وہ لکھتے ہیں۔

''طبری کی تاریخ اور تفسیر میں ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ سے ملنے ان کے گھر گئے۔ زیدؓ موجود نہ تھے۔ حضرت زینبؓ اس وقت کپڑے تبدیل کر رہی تھیں۔ اسی حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر نظر پڑ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی صورت کھب گئی جس کی وجہ سے وہ زیدؓ کے دل سے اتر گئیں اس کے بعد زیدؓ نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر زینبؓ آپ کو پسند آ گئی ہوں تو میں انہیں طلاق دے دوں''

اسی واقعہ کے حوالے سے صفحہ 106 پر علامہ صاحب امام طبری کی روایت کی مزید تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

''حضرت زیدؓ حضور کے منہ بولے بیٹے تھے۔ اس لئے اس ڈر سے کہ لوگ طعن و تشنیع کریں گے جب زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم دلی منشاء کے خلاف بظاہر زیدؓ کو طلاق دینے سے منع کرتے رہے۔ اور رسالتماب صلی اللہ علیہ

وسلم مشورہ دیتے رہے کہ زینبؓ کو زیدؓ طلاق نہ دیں۔ بلکہ اپنے پاس ہی رکھیں۔لیکن جب زیدؓ نے طلاق دے دی تو آپ یہ کہہ کر کہ زینبؓ سے میرا نکاح حق تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کر دیا ہے لہٰذا رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم بغیر نکاح ، بغیر مہر، بغیر اطلاع اور بغیر اجازت حضرت زینبؓ کے پاس شب عروسی منانے کے لیے تشریف لے گئے۔" انا للہ وانا الیہ راجعون

7۔ نقوش رسول نمبر جلد گیارہ صفحہ 283 کے حوالے سے ایک حدیث پیش خدمت ہے۔

"ابن اسحاق نے کہا مجھ سے حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے عکرمہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلہ اللہ علیہ وسلم نے ام حبیب بن عباس کو دیکھا جو آپ کے سامنے ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں۔ رسول اللہ صلہ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بلوغ کو پہنچی اور میں اس وقت زندہ ہوا تو میں ضرور اس سے نکاح کروں گا" ...."لیکن رسول اللہ صلہ اللہ علیہ وسلم اس کے بلوغ سے قبل ہی انتقال کر گئے"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کتنے گھناؤنے حملے ہوئے ہیں۔ اس ہستی کو جسے قرآن مثالی اخلاق و کردار کا مالک بیان کرتا ہے۔ ان احادیث سے کیا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟

قرآن کے اعلان کے مطابق تو رسالتماب کا کردار مثالی تھا اور وہ سب سے اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔سورۃ القلم کی آیت نمبر 4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے......

انک لعلی خلق عظیم

"بے شک آپ اخلاق کی بلند ترین منزل پر ہیں"

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

"بے شک تمہارے لئے رسول کی شخصیت پیروی کا بہترین نمونہ ہے"

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر 21)

کیا ان روایات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کے دشمنوں کو یہ موقعہ ہاتھ نہیں آیا کہ وہ اس ذات اقدس پر خوب کیچڑ اچھالیں جس کی تمام تر زندگی پاکی اور طہارت کا بہترین نمونہ تھی۔

کیا اب بھی مسلمانوں کی عقل گھاس چرنے گئی ہوئی ہے کہ وہ ابھی تک ایسی کتابوں کو مقدس سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں جو اصل میں ان کی جڑیں کاٹتی رہی ہیں۔ آپ میری بات پر یقین نہ کیجئے خود ان کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے اور میری بات کی تصدیق کیجئے۔ اگر یہ احادیث آپ کو ان کتابوں میں ملیں تو خود سوچئے اور فیصلہ کیجئے۔

رسالتماب پر جادو

رسالتماب کی کردار کشی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمان پر بھی ضرب لگائی گئی۔ ان کو باور کرایا گیا کہ رسالتماب پر جادو ہوا تھا تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ جو کچھ رسالتماب نے کہا وہ ہوسکتا ہے جادو کے زیر اثر کہا ہو۔ یعنی قرآن کی حقانیت کو مشکوک کرنے کی سازش کی گئی۔ پہلے ملاحظہ فرمایئے حدیث اور اس کے بعد قرآن کا فیصلہ۔

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کو نہ کیئے کام کے متعلق یہ خیال ہوتا کہ کر چکے ہیں حتیٰ کہ آپ نے ایک دن اللہ تعالیٰ سے اپنی شفاء کی خود دعا کی پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ چیز مجھے بتا دی جس سے میری شفاء ہوگئی۔''

(کتاب بداء الخلق بخاری)

آگے ذکر ہے کہ کس طرح فرشتے آئے اور انہوں نے جادو کا توڑ بتایا۔ قرآن کو تعویز گنڈے اور جادو ٹونے کے توڑ کے لئے استعمال کا جواز بھی اسی حدیث سے لاتے ہیں اس لئے کہ روایت میں یہ بھی ہے کہ رسالتماب کے جادو کا توڑ قرآن کی دو سورتوں سے ہوا۔

قرآن کا عام قاری بھی یہ جانتا ہے کہ مکی زندگی میں رسالتماب پر یہی الزام لگایا جاتا رہا کہ رسالتماب جادوگر ہیں یا ان پر جادو کر دیا گیا ہے۔ لیکن پورا قرآن اسی بات کی نفی کرتا چلا آرہا ہے۔ نہ صرف رسالتماب کے لئے بلکہ عمومی طور پر دوسرے رسولوں کے لئے بھی یہی کہا گیا ہے کہ رسول نہ تو جادوگر ہوتے ہیں اور نہ ہی ان پر جادوگر کامیاب ہوتا ہے لیکن بخاری اور مسلم کی قرآن فہمی کو کیا کہیئے کہ ان کو وہ آیات تو نظر نہ آئیں البتہ ایسی حدیث ضرور مل گئی جس سے رسالتماب پر جادو ہونا ثابت کیا جاسکے۔

قرآن رسالتماب کے متعلق خصوصی طور پر کہتا ہے کہ جو یہ کہے کہ اے رسول تم پر جادو ہوا ہے وہ صحیح راستہ پا ہی نہیں سکتا ملاحظہ فرمایئے قرآنی فیصلہ......

"نحن اعلم بما یستمعون به اذ یستمعون الیک واذھم نجوی اذ یقول الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا o انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یسیطیعون سبیلاo

"ہم خوب جانتے ہیں اس چیز کو جو یہ کان لگا کر آپ کی طرف سنتے ہیں اور جس وقت کہ وہ سازشیں کرتے ہیں اور جب کہ ظالم لوگ (مومنوں سے) کہتے ہیں کہ تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو ہوا ہے۔ اے رسول دیکھئے تو آپ پر یہ کیسی مثال چسپاں کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگ گمراہ ہوگئے اور یہ راہ نہیں پاسکتے۔" (سورۃ بنی اسرائیل آیت 48-47)

یہی بات سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 52 میں دوبارہ ارشاد فرمائی......

"وقال الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا o انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلاo"

"اور ظالم لوگوں نے مومنوں سے کہا "تم تو ایک جادو کئے گئے شخص کی پیروی کرتے ہو اے رسول دیکھئے آپ پر یہ کیسی مثال چسپاں کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگ گمراہ ہوگئے اور یہ راہ نہیں پاسکتے"

آپ نے دیکھا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسالتماب پر جادو ہوا تھا وہ قرآن کی ان آیات کے حوالے سے ظالم ہے اور ایسا گمراہ ہے جو اللہ کی راہ پا ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اگر آپ کا عالم یا مذہبی پیشوا اس بات پر مصر ہے کہ رسالتماب پر جادو ہوا تھا تو یقین جانئے وہ قرآن کے اعلان کے مطابق ظالم اور ایسا گمراہ ہے جو اللہ کا راستہ بھی نہیں پاسکتا۔

ویسے تو اوپر کی آیات ہی کافی ہیں لیکن مزید اطمینان کے لئے ذیل میں وہ آیات بھی درج کئے دیتے ہیں جو سیدنا موسیٰ کے حوالے سے جادوگر کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

سورہ یونس کی آیت نمبر 77 میں ارشاد ہے......

"ولا یفلح الساحرون"

"جادوگر کامیاب نہیں ہوتے"

"ولا یفلح الساحر حیث اتی"

"جادوگر کامیاب نہیں ہوتا چاہے جہاں سے آئے"

(سورۃ طہ آیت نمبر 69)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن دوٹوک الفاظ میں رسول کے مقابلہ میں جادوگر کو ناکام اور نامراد کہہ رہا ہے۔ جب کہ رسالتماب کے حوالے سے تو اس شخص کو بھی گمراہ کہہ رہا ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ رسالتماب پر جادو ہوا تھا۔

رسالتماب ایک ان پڑھ شخص تھے؟

یہ عقیدہ بھی مسلمانوں میں خوب پھیلایا گیا کہ رسالتماب ان پڑھ تھے۔اور یہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ رسالتماب کا لقب "امی" تھا جس کے معنی ان پڑھ کے ہیں۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ قرآن کا عام قاری بھی جب قرآن کو پڑھتا ہے تو اس کو معلوم ہوجاتا ہے کہ پوری عرب قوم کو اہل کتاب کے مقابلہ میں امی کہا گیا ہے۔ امی کا لفظ جس کو ہمارے علماء رسالتماب کا لقب کہتے ہیں صرف رسالتماب کے لئے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ پورے عرب کے لوگوں کو امی کہا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ وہ ان پڑھ تھے بلکہ ان کو امی اس لئے کہا گیا کہ اہل کتاب کے مقابلہ میں ان کے پاس اللہ کی نازل کردہ کتاب نہ تھی۔ یعنی اللہ کی کتاب کے حوالے سے ان پڑھ تھے۔ سورۃ جمعہ کی آیت نمبر 2 ملاحظہ فرمایئے جس میں پوری عرب قوم کو "امی" کہا گیا ہے......

"هو الذی بعث فی الامین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة"

"اللہ وہ ہستی ہے جس نے امیوں کے درمیان انہی میں سے ایک رسول معمور کیا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

یعنی رسالتماب کی بعثت امیوں میں ہوئی۔ اور جو جزیرہ نما عرب کے رہنے والے تھے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 20 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے......

"وقل للذین اوتوا الکتاب والامین ء اسلمتم"

"پوچھو ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور امیوں سے کہ کیا تم نے دین اسلام قبول کیا؟"

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ رسالتماب کے مخاطب ایک طرف تو وہ لوگ تھے جو اہل کتاب تھے اور دوسری طرف وہ جو اہل کتاب نہ تھے، جن کو امیوں کہا گیا۔ اہل کتاب بھی عربوں کو امی (Gentile) اس لئے کہتے تھے کہ وہ اہل کتاب نہ تھے اور ان پر اپنے لین دین کا قانون لاگونہیں سمجھتے تھے اسی لئے ان کے ساتھ ہر ظلم روا رکھتے تھے۔ آل عمران کی آیت نمبر 75 میں اہل کتاب کا قول نقل کیا ہے......

"ذلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامین سبیل"

"یہ اس وجہ سے کہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ ہمارے لئے امین کے معاملہ میں کوئی قانون نہیں"

یقین جانئے ہمارے رسول وحی کے نزول کے وقت ان پڑھ نہ تھے۔ اس لئے اگر یہ مان لیا جائے کہ رسالتماب وحی کے وقت ان پڑھ تھے تو نعوذ باللہ ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ رب کائنات کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جس کی طرف وحی بھیج رہا ہے وہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔

چند تفسیری روایات

سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ قرآن کی تفسیر ان احادیث ہی کے ذریعہ ملتی ہے۔ حالانکہ قرآن اپنے متعلق سورہ الفرقان آیت نمبر 33 میں فرماتا ہے کہ اس میں کی گئی تفسیر "احسن تفسیر" ہے۔ سورۃ انعام کی آیت نمبر 114 میں فرمایا کہ یہ "کتاب مفصل" ہے۔ سورۃ انعام ہی کی آیت نمبر 106 میں قرآن کا فیصلہ ہے کہ اس کی آیات "بصائر" یعنی آنکھیں کھول دینے والی ہیں تو جس نے آنکھ کھولی اپنے لئے اور جو اس سے اندھا ہوا تو اپنے لئے۔ اور اسی سورۃ کی آیت نمبر 38 میں ارشاد ہے...... کہ ہم نے اس

کتاب میں کچھ چھوڑا ہی نہیں۔

اب بھلا سوچنے کا مقام ہے کہ قرآن کے ان فیصلوں کے بعد کس کی جرات ہوسکتی ہے کہ کہے کہ قرآن کی تفسیر کے مقابلہ میں میری تفسیر بہتر ہے۔ اور اگر بہتری کا دعوی نہیں تو کم تر تفسیر کی کیا ضرورت تھوڑی سی محنت کیجئے آپ کو قرآن خود انگلی پکڑ کر اللہ کے راستہ پر لے آئے گا۔ بہرحال آپ کی تسلی کے لئے چند آیات کی تفسیری روایات بھی پیش خدمت ہیں تاکہ آپ کی اس معاملہ میں بھی تشفی ہوجائے۔

(1) سورہ النجم کی آیات 19اور 20 کی تفسیر

سورہ النجم آیات 19اور 20 میں لات، عزیٰ اور منات دیویوں کا ذکر ہے جن کو مشرکین مکہ پوجا کرتے ہیں۔

افرایتم اللت والعذیo ومنوۃ الثالثہ الاخریo

روایت ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے اور جب اس مقام پر پہنچے تو شیطان نے رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ”تلک الغرانیق العلی“ کے الفاظ نکلوائے جن کا مطلب ہے ”یہ بڑی مرتبہ والی دیویاں ہیں“ یہ سن کر مشرکین مکہ بول اٹھے کہ یہی تو ہم کہتے ہیں۔“

علامہ حبیب الرحمان کاندھلوی اپنی کتاب مذہبی داستانیں جلد دوم صفحہ 15 پر لکھتے ہیں۔ ”اگر یہ امر قبول کر لیا جائے کہ ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ بلکہ ایسا خطرناک حادثہ پیش آیا ہے تو گویا دوران وحی اور دوران تلاوت شیطان جو چاہے نبی کی زبان مبارک سے نکلوانے پر قدرت رکھتا تھا۔ گویا پوری نبوت اور پورا قرآن ایک روایت کے سبب کالعدم ہوجاتا ہے ایسی روایات اور ایسے معتبر راویوں کو کیا شہد لگا کر چاٹنا ہے“

سورۃ الحجر کی آیات 25-24 کی تفسیر

لقد علمنا المستقد مین منکم ولقد علمنا المستاخرین وان ربک ھو یحشر ھم انہ حکیم علیم

”اور ہم تم میں اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی جانتے ہیں۔ تمہارا

رب انہیں اکٹھا کرے گا، وہ حکمت والا علم والا ہے۔"

اس آیت کے معنی و مفہوم خود واضح ہیں اگر اس کا مفہوم روز قیامہ بعد از موت کیا جائے تو جو لوگ دنیا میں پہلے آچکے ہیں اور جو بعد کو آنے والے ہیں ان سب کا علم اللہ کو ہے اور وہ سب کو جمع کرے گا۔ لیکن اگر اس کا مفہوم قیام دین بعد از ہجرت کیا جائے تو وہ لوگ جنہوں نے پہل کی اور متقدمین میں شامل ہوئے اور وہ لوگ جو ابھی ہجرت نہیں کر سکے بلکہ بعد کو آنے والے ہیں ان سب کا علم اللہ کو ہے اور وہ ان سب کو جمع کرے گا۔ اس لئے کہ وہ باخبر بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ سورہ الحجر کے اس رکوع میں اللہ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ ہم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہم ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔ حتی کہ تم سب کا علم رکھتے ہیں۔ آیات پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ خود چند منٹ کے لئے قرآن کھول کر دیکھئے کہ اللہ نے اپنی ربوبیت کا اعلان کس شان سے فرمایا ہے اور اب ملاحظہ فرمایئے اس کی تفسیر۔

"ابن عباسؓ سے روایت ہے ایک حسین ترین عورت رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے آیا کرتی تھی۔ صحابہ میں سے کچھ لوگ تو آگے کی صف میں بڑھ جاتے تھے تاکہ اسے نہ دیکھیں لیکن کچھ لوگ پیچھے کی صف میں شریک ہوتے تھے اور رکوع کی حالت میں بغل کے نیچے کی طرف سے اسے جھانکتے رہتے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت اتاری کہ ہم تم میں سے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی"

(جامع ترمزی)

سورۃ المائدہ آیت نمبر 87 کی تفسیر

"یاایھا الذین امنوا لا تحر موا طیبات ما احل اللہ لکم"

"اے ایمان والو ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیں ہیں حرام نہ ٹھہراؤ"

بات بالکل واضح ہے، کسی تفسیر کی ضرورت نہیں کہ انسان کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ اللہ کی حلال کی گئی چیز کو حرام ٹھہرائے۔ جو حدود اللہ نے متعین کئے ہیں۔ ان سے تجاوز کی

اجازت نہیں۔ اب ملاحظہ فرمایئے بخاری کی حدیث کی رو سے تفسیر۔

"عبداللہؓ ابن مسعود روای ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں۔ ہم نے اپنی حرارت اور خواہش سے مجبور ہو کر عرض کیا کہ ہم خصی نہ ہوجائیں۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ اور فرمایا کہ تھوڑے یا کم دن کے لئے جس پر عورت راضی ہوجائے نکاح کر لو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی"

(بخاری کتاب تفسیر سورۃ المائدہ)

جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے۔ اس کا شان نزول متعہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اب بات متعہ کی چل نکلی ہے تو چند احادیث اس موضوع پر پیش خدمت ہیں۔

"برہ جہنی نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت دی تو میں اور ایک شخص دونوں نکلے اور قبیلہ بنی عامر کی ایک عورت کو دیکھا کہ گویا ایک جوان اونٹنی تھی دراز گردن صراحی نما سوہم نے اپنے آپ کو اس پر پیش کیا۔ وہ بولی مجھے کیا دو گے میں نے کہا میری چادر حاضر ہے اور میری رفیق نے کہا میری چادر حاضر ہے۔ اور میرے رفیق کی چادر میری چادر سے اچھی تھی مگر میں اس کی نسبت اچھا جوان تھا۔ جب وہ میرے رفیق کی چادر دیکھتی تو اس کو پسند آتی اور جب مجھے دیکھتی تو میں اس کو پسند آتا۔ پھر اس نے کہا کہ تو اور تیری چادر مجھے کافی ہے۔ اور میں اس کے پاس تین روز رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس ایسی عورت ہو کہ اس سے متعہ کیا ہوا ہے تو اسے چھوڑ دے"

(کتاب النکاح مسلم)

مسلم میں کتاب النکاح ہی میں متعہ کے متعلق مزید احادیث میں ہمیں ملتا ہے کہ متعہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ تک جاری رہا۔

"عطا نے کہا کہ جابر بن عبداللہ عمرے کے لئے آئے اور ہم سب ان کی منزل میں ملنے کے لئے گئے اور لوگوں نے ان سے بہت باتیں پوچھیں پھر متعہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا ہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ خلافت میں متعہ کیا"

(کتاب النکاح مسلم)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری کے حوالے سے ایک حدیث متعہ کے متعلق از حد بے شرمی و بے حیائی کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس میں سیدنا ابو بکرؓ خلیفہ اول دست راست رسول کی بیٹی کی عزت پر کیچڑ اچھالی گئی ہے۔

''حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کے زمانے میں ہمارے ساتھ متعہ ہوا'' اسی بنا پر جب حضرت اسماء کے بیٹے عروہ نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ تم کو خدا کا خوف نہیں کہ تم متعہ کی اجازت دیتے ہو'' تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ''اپنی ماں سے جا کر پوچھو'' ....بحوالہ مقام حدیث

آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ کس انداز سے آیات کی تفسیر ہوئی ہے اور آپ کو شائد یہ معلوم کر کے بھی حیرت ہوگی کہ تفسیری روایات کے لئے بخاری میں زیادہ صفحات وقف نہیں کیے گئے ہیں۔ بلکہ مسلم میں تو تقریباً 2500 صفحات میں سے آخیر کے دس صفحات کو تفسیر کے لئے جگہ ملی۔

ازواج مطہرات کے متعلق احادیث

اس ضمن میں صرف چند احادیث ہی پیش کروں گا اس لئے کہ پہلے ہی کتابچہ ضخیم ہوگیا ہے اور جو مقصد تھا کہ مصروف لوگوں کو قرآن کی طرف رغبت دلانے کے لئے قرآن اور حدیث کے متعلق مختصر سی تحریر سامنے آجائے وہ فوت ہوتا نظر آرہا ہے۔ وہ حضرات جو مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی ''مذہبی داستانیں'' پڑھ لیں علامہ دور حاضر کے عالم قرآن محدث ماہر تاریخ، محقق اور نقاد ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا امین احسن اصلاحی کی کتاب ''مبادی تدبر حدیث'' بھی اصطلاحات کو سمجھنے میں اور احادیث کے گھڑنے کی وجوہات کو معلوم کرنے میں بڑی مددگار ثابت ہوگی۔ البتہ میں مولانا کے اس موقف سے متفق نہیں کہ احادیث سے شرح اور فرع کی جاسکتی ہے۔ خود مولانا احادیث کے متعلق وہ حقائق اور نتائج بتا رہے ہیں۔ جن سے پورا احادیث کا ذخیرہ ایک سازش معلوم ہوتا ہے تو پھر کس طرح اس سازش سے دین کی شرح یا فرع کی جاسکتی ہے۔

1۔ ابو سلمٰی سے روایت ہے ”میں اور حضرت عائشہ کے بھائی حضرت عائشہ کے پاس آئے اور ان سے ان کے بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا حال پوچھا۔ تو انہوں نے ایک صاع پانی منگایا پھر انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا“

(کتاب الغسل ...... بخاری)

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ نہا کر کیوں دکھایا اور پردہ کیوں ڈالا گیا۔ ویسے ہی بتایا جاسکتا تھا کہ ایک صاع سے نہاتے تھے۔ پردہ اگر چھپنے کے لئے ڈالا گیا تو پردہ کے پیچھے چھپ کر نہانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر نعوذ باللہ یہ خیال کیا جائے کہ پردہ مہین تھا تو یہ سیدہ عائشہؓ پر کیچڑ اچھالا گیا ہے۔

کتب احادیث میں آپ کو ایسی احادیث ملیں گی جسمیں جنس کے متعلق مرد حضرات سیدہ عائشہ سے سوال کرتے نظر آئیں گے جب کہ حیض وغیرہ کے متعلق عورتیں رسالتماب سے سوالات پوچھتی نظر آئیں گی۔

2۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں۔ ”میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ایک ہی برتن یعنی قدح سے جس کو فرق کہا جاتا ہے غسل کرتے تھے۔ (کتاب الغسل بخاری)

انبیاء کرام کے بارے میں تفسیری روایات

1۔ سیدنا یوسف کی سیرت اور رسالتماب کا تبصرہ (سورۃ یوسف کی آیات کی تفسیر)

قرآن میں سورۃ یوسف کی بڑی امتیازی حیثیت ہے کہ پوری کی پوری سورۃ سیدنا یوسف کے قصہ سے متعلق ہے۔ رکوع نمبر ٦ میں بادشاہ وقت کو سیدنا یوسف کے متعلق معلوم ہوا کہ ایک صاحب علم جیل میں بند ہے تو اس نے ان کو دربار میں بلا بھیجا۔ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو دوڑ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا لیکن نبی کے کردار کی عظمت دیکھئے کہ سیدنا یوسف نے قاصد کے ہاتھ واپس پیغام بھجوا دیا کہ پہلے میرے مقدمہ کا فیصلہ کیجئے کہ جس وجہ سے مجھے جیل میں ڈالا گیا وہ الزام ثابت بھی ہے یا نہیں لیکن قربان جایئے ہمارے جامعین حدیث کے کیا دور کی کوڑی لائے ہیں۔ بخاری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جتنے عرصہ تک حضرت یوسف قید میں رہے اگر میں رہتا تو رہائی کے حکم کو مان لیتا۔ اور بلانے والے کے ہمراہ فورا چلا جاتا'' (کتاب التفسیر بخاری)

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے متعلق

2۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے متعلق حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ سے روایت کرتے سنا کہ آپ نے فرمایا ''سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے ایک دن کہا تھا کہ میں آج کی رات سو یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا اور وہ عورتیں شہسوار پیدا کریں گی جو خدا کی راہ میں جہاد کریں گے''

(کتاب الجہاد والسیر ...... بخاری)

سیدنا ابراھیم کے متعلق

3۔ سیدنا ابراھیم کے حوالے سے بخاری میں روایت ہے کہ سیدنا ابراھیم نے تین مرتبہ جھوٹ بولا۔ دو مرتبہ تو اللہ کے لئے یعنی اس وقت جب سیدنا ابراھیم کے والد سیدنا ابراھیم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے تو سیدنا ابراھیم نے بہانا بنایا اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ دوسرا جھوٹ اس وقت بولا جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے بتوں کو توڑا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ بڑے بت نے یہ کام کیا ہے۔ اور تیسرا جھوٹ سیدنا ابراھیم نے اپنی ذات کے لئے بولا جس کے متعلق ابوھریرہ سے یوں روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ''ایک مرتبہ ابراھیم اور ان کی زوجہ سارہ سفر کرتے ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں سے گزرے کسی نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہاں ایک ایسا شخص آیا ہے جس کے ساتھ ایک نہایت خوبصورت عورت ہے۔ اس ظالم نے اس کے پاس آدمی بھیج کر سارہ کے متعلق پوچھا یہ کون ہے؟ تو ابراھیم نے کہہ دیا میری بہن ہے۔ پھر ابراھیم سارہ کے پاس آئے اور کہا اے سارہ روئے زمین پر میرے اور تیرے علاوہ کوئی مومن نہیں اس ظالم نے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہہ دیا یہ میری بہن ہے لہذا مجھے جھوٹا نہ کرنا۔

(کتاب الانبیاء ......بخاری)

یہ وہ مجوسی اور یہودی سازش ہے جو آج بھی اسی طرح برسرپیکار ہے جیسے رسالتماب کے زمانہ میں تھی۔ اور آج ہم اس سازش میں اتنے پھنس چکے ہیں کہ صاف سازش بھی نظر نہیں آتی آپ خود غور کیجئے کہ ان احادیث سے رسول کی کیا تصویر سامنے آتی ہے؟ اور کیا یہ گستاخ رسول کے مرتکب اقوال نہیں؟

ان احادیث کی بناء پر رسالتماب کو جنسی جنون میں مبتلا ایک ایسا شخص دکھایا گیا ہے جو اپنی تمام ازواج مطہرات سے ایک رات میں مباشرت کرنے کے باوجود دن میں کوئی خوش شکل عورت نظر آجاتی تھی تو بھی اس کی جنسی خواہش بھڑک جاتی تھی۔

رسول اللہ نے جو کچھ قرآن کی شکل میں دیا ہے وہ مشکوک ہے اس لئے کہ ان کے اوپر کئی ماہ تک جادو کا اثر رہا اور اس دوران کیا کچھ قرآن میں آگیا ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا اور شیطان تک ان کے منہ سے جو چاہے کہلوانے پر قادر تھا جو اللہ کے کلام کے بالکل متصادم ہے۔

وہ ایک امی (یعنی ان پڑھ) شخص تھے اس لئے ان کی کسی بات کا اعتبار کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ رسالتماب کے علاوہ ازواج مطہرات اور اصحاب رسول سب اس سازش کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔

لمحہ فکریہ

آیئے صرف ایک سوال پر غور کریں۔

"کیا رسالتماب سے دین دینے میں چوک ہوگئی کہ وہ صرف قرآن دیکر چلے گئے اور وہ اعمال و اقوال جو دین کا حصہ تھے ان کو مرتب نہیں کرایا"

جی نہیں رسالتماب دین مکمل دے کر گئے جس کا اللہ نے اعلان فرمایا "**الیوم اکملت لکم دینکم**" میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اگر رسالتماب ضروری سمجھتے تو ضرور اپنی احادیث مرتب کرا کر دیتے اور اللہ تبارک و تعالٰی اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی طرح لیتے جس طرح الذکر کی لی ہے۔

اللہ تبارک و تعالٰی قرآن کو "نور مبین" یعنی ایسی روشنی کہتے ہیں جو واضح ہے۔

اول تو نور بذات خود ایسی چیز ہے جس سے دوسری چیزیں ڈھونڈھی جاتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ آپ کے گھر میں موم بتی جل رہی ہے اور آپ اس کو ڈھونڈھنے کے لئے دوسری موم بتی جلا رہے ہیں۔ ہمارے پاس ایک سورج موجود ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے دوسرے سورج کی ضرورت کبھی کسی نے محسوس نہیں کی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایسی روشنی کو جو سورج سے بھی زیادہ واضح ہے ڈھونڈنے کے لئے ہم ہزاروں دیئے وہ بھی گندے تیل کے جلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن کے الفاظ تو بہت واضح ہیں۔

"یاایھا الناس قد جآءَ کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً o فاما الزین امنوا باللہ واعتصموا بہ فسید خلھم فی رحمۃ منہ وفضل ویھدیھم الیہ صراطا مستقیماo

"اے لوگوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل قطعی آ گئی ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک واضح نور اتار دیا ہے پس وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے احکامات کے ساتھ امن قائم کیا وہ اس نور سے چمٹ گئے۔ اور نتیجتاً اللہ ان کو جلد ہی اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور اپنی سیدھی راہ کی طرف ہدایت سے نوازے گا" (سورۃ النساء آیت نمبر 175)

آخر میں آپ کے سامنے قرآن کے الفاظ میں اللہ کا سوال رکھتا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں سے جو قرآن کو نامکمل یا ناکافی سمجھتے ہیں۔ پوچھتے ہیں۔ کہ کیا ان کے لئے قرآن کافی نہیں؟

"اولم یکفهم انا انزلنا علیک الکتب یتلی علیهم ط ان فی ذلک لرحمة و ذکری لقوم یومنون"

"کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل فرمائی جو ان لوگوں کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں مومنوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔" (سورۃ العنکبوت آیت نمبر 51)

اللہ کے اس سوال کے جواب میں آپ کا جواب کیا ہوگا؟ مجھے امید ہے کہ کوئی بھی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم کو قرآن کے علاوہ بھی کچھ اور چاہیے۔

ہمارا کام آپ تک بات کو پہنچا دینا ہی ہے اگر بات سمجھ آ گئی ہے تو آیئے اللہ کے دیئے ہوئے واضح نور کے ذریعہ ہی اللہ کے راستہ کا تعین کریں اور اللہ سے اس کی رحمت اور فضل کے متمنی ہوں۔

محدثین حدیث کو خبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور خبر کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ خبر صدق (سچ) اور کذب (جھوٹ) دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ یعنی علمائے فن کے نزدیک خبر (یعنی حدیث) میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی (وہ بات جس میں جھوٹ کا گمان یا شک ہو) کہتے ہیں"

علامہ امین احسن اصلاحی بحوالہ مبادی تدبر حدیث

"اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح اور معتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے"

مولانا مودودی بحوالہ رسائل و وسائل (حصہ اول)

"اگر ان بیان کرنے والوں پر یہ قید عائد کر دی جاتی کہ حضور کے فرمان ان کے اپنے الفاظ میں ہی روایت کریں یعنی روایت بالالفاظ ہی ہو تو میرا خیال ہے کہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پچانوے فی صد غائب ہو جاتا"

علامہ امین احسن اصلاحی بحوالہ مبادی تدبر حدیث

" قول رسول اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں"

بحوالہ رسائل و وسائل

یہ بات سب محدثین کے درمیان متفق علیہ ہے کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ یہ رسالتماب کے الفاظ ہیں۔ اسی لئے جب کوئی عالم حدیث سناتا ہے تو اخیر میں ایک جملہ عربی میں کہتا ہے "اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ" (یا جیسے رسالتماب نے کہا ہو) یعنی حدیث سنانے کے بعد اگر یہ جملہ کہہ دیا جائے تو سنانے والا تمام جھوٹ سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

حقیقت حدیث

ڈاکٹر قمر زمان